شبیر احمد خاں غوری

حدیث "لاتسبوا الدھر"

اپنے صحیح پس منظر میں

حدیث "لاتسبوا الدھر" کے الفاظ جو بھی ہوں مگر عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر مانۂ حاضرہ کے آغاز تک اس کے معنی میں کوئی اختلاف نہیں رہا۔ علماء تو درکنار، نو آموز طلباء بھی جانتے تھے کہ اس کے معنی ہیں :۔ "دہر (زمانہ) کو بُرا مت کہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی مقلب دہر (اور حوادث روزگار کا فاعل) ہے"۔

لیکن جب اس صدی کی ابتدا میں تجدید و اصلاح ملت کی بنیاد کے لئے فلسفۂ خودی کے علاوہ برگسانی تصور زماں "دوران خالص" (duree reele) کا سہارا بھی لیا گیا تو صورت حال بدلنے لگی۔ جدید تعلیم یافتہ طبقے کا اصرار تھا کہ صحیح یا غلط جس طرح بھی ہو اسلامی تعلیمات کی توجیہ و توضیح اس طرح کی جائے کہ وہ رائج الوقت سائنسی نظریات کے مطابق بن جائیں اور پھر اس دھن میں انھوں نے یہ بات بھی نظر انداز کر دی کہ سائنس کے یہ نظریات خود پا در ہوا ہیں۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چونکہ جدید سائنس کے اندر زمان و مکان کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے اور عہد حاضر کے مفکرین نے اپنی تمام تر توجہ مکانی زمانی کائنات پر مرکوز کر دی ہے لہٰذا مفکرین ملت نے بھی زمان و مکان کے مسئلہ کو امت اسلامیہ کے لئے موت و حیات کا مسئلہ سمجھنے پر اصرار کیا حالانکہ اسلامی فکر کی چہار صد سالہ تاریخ میں ان مسائل کو کبھی کوئی خاص اہمیت نہیں دی گئی۔

اس اہمیت مفرطہ کا دوسرا نتیجہ یہ ہوا کہ اسپنگلر (Spengler) نے "انحلال الغرب" (Decline of the West) کے اندر زمانہ کے وجود خارجی کے عقیدہ کو "یونان بیزاری" (Anti-Classicalism) کے ساتھ مغربی تہذیب کے ممیزات خصوصی میں شمار کیا، چنانچہ وہ لکھتا ہے :۔

"And, indeed man has never—not even in the contemporary China of the Chou period with its highly developed sense of eras and epochs—been so awake and aware, so deeply sensible of time and conscious of direction and fate and movement as he has been in the West."

(Spengler : Decline of the West, Vol. I, P. 133)

لہٰذا مفکرین ملّت نے بھی جو جدید یورپی تہذیب کو اسلامی تہذیب کا تسلسل سمجھتے ہیں، ان دونوں ممیزات کو اسلام اور قرآن کی اصولی تعلیمات کا ماحصل قرار دیا اور اس بات پر اصرار کیا کہ زمانہ کے وجود خارجی کے عقیدے کا شدید احساس قرآن کی بنیادی تعلیم کی اصل محکم ہے۔

اس اعتناء مفرط کا مغرب میں نتیجہ یہ نکلا کہ وہاں کے بعض فلاسفہ نے زمان و مکان ہی کو اصل کائنات اور وجود مطلق کا مبدء اوّلین حتیٰ کہ خدائے برتر سمجھ لیا۔ ہمارے مفکرّین نے بھی اسلام کے تمام فرقوں کے علی الرغم زمانہ کو "پیراہن یزدان" بتانے پر اصرار کیا۔ نیز اپنی فلسفیانہ صلاحیتوں کو زمانہ کے "حقیقت مطلقہ" ثابت کرنے پر مرکوز کر دیا۔

مگر چونکہ اسلامی تعلیمات میں ان انوکھے تصوّرات کی کوئی گنجائش نہیں تھی، اس لئے اپنے تفلسف کے واسطے سند جواز فراہم کرنے کے لئے انھوں نے حدیث "لا تسبّوا الدھر" کا سہارا لیا اور اس کا کچھ اس قسم کا ترجمہ کیا جیسا کسی نے "میرا سر چکر کھا رہا ہے" کا ترجمہ "My head is eating circles." کیا تھا۔ لیکن مفکرین و مصلحین ملّت کی یہ فلسفہ طرازی کسی پسندیدہ صورت حال کی مورث نہیں ہے، کیونکہ ان تعبیرات کے بعد اسلام فہمی کی تڑپ رکھنے والے اذہان میں یہ سوال پیدا ہونا ناگزیر ہیں۔

(الف) کیا یہ اسی اسلام کی تعلیم ہے جس کا اصل الاصول "لا الٰہ الا اللہ" ہے اور جو قضی ربك ان لا تعبدوا الا ایاہ کا حکم محکم جاری کر کے خدائے واحد لاشریک لہ کے علاوہ تمام محسوس و موہوم آلہ کی نفی کا حکم دیتا ہے؟

(ب) کیا اُس اسلام میں جس کے اندر شرک سے بڑھ کر اور کوئی گناہ نہیں اور جس کا قطعی اعلان ہے کہ "ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذلك لمن یشاء"۔ "زمانہ پرستی" کی بھی تعلیم ہے؟

(ج) کیا اس دین میں جو سعی عمل اور جہد مسلسل کی تعلیم دیتا ہے اور جس کا فرمان ہے کہ "لیس للانسان الا ماسعیٰ" قدیم زروانیت کے جبر و قنوطیت کی بھی گنجائش ہے؟

اگر ایسا نہیں ہے اور واقعتاً ایسا نہیں ہے تو پھر حدیث "لا تسبوا الدھر" کا کیا مطلب ہے؟ کہیں ایسا

تو نہیں ہوا کہ تجدد پسندی کے انہماک میں اس ارشاد نبوی کو سیاق وسباق سے قطع نظر کرکے معنی پہنائے گئے ہوں؟

اس لئے ضروری ہے کہ اس حدیث کا مفہوم و منشا، عربی زبان کے عام لسانیاتی قواعد و اسالیب بیان، نیز اس کے معاشرتی پس منظر اور اس سے زیادہ قرآن کی تعلیم کی روشنی میں، جو اسلامی فکر کا اصل الاصول ہے، متعین کیا جائے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ضرور ہے کہ جو نفوس قدسیہ قرآن و حدیث کے مخاطب اولین تھے، وہ اس کا کیا مفہوم سمجھے۔ اور چونکہ اسلام کی فکری تاریخ میں باوجود مرور ایام ابھی تک کوئی ایسا خلا پیدا نہیں ہوا کہ ایک طبقہ نے اپنے پیش رو طبقے سے ان دینی وفکری روایات کو براہ راست اخذ نہ کیا ہو، اس لئے اس غیر معمولی تسلسل کی موجودگی میں عقل سلیم کا یہی فیصلہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کے وہی مفاہیم قابل قبول ہوں جو قرآن کے لانے والے نے بتائے، جو اس کے مخاطبین اوّلین نے سمجھے اور جنہیں کمال ذمہ داری کے ساتھ علمائے اسلام نے ہم تک پہنچایا۔

(۱) مسئلہ زمان کا تاریخی پس منظر۔

مسئلہ زمان کا پس منظر قدیم تاریخ کے دھندلکے میں مستور ہے۔ اجتماعی زندگی کے لئے وقت کا حوالہ ناگزیر ہے۔ لیکن جب معاشرتی زندگی کی گہما گہمی کے بعد انسان غور و فکر کی زندگی شروع کرتا ہے تو دوسرے محسوس و موہوم تصوّرات کی طرح وقت اور زمانہ کے تصوّر کو بھی اپنی تفکیری سرگرمیوں کا موضوع بناتا ہے۔ مگر زمانہ کے تصوّر میں ایک خصوصیّت ہے، جہاں فکر نے اسے درخور اعتنا سمجھا اور یہ "خدا" (خود آ = قدیم) بنا، چنانچہ امام رازی نے "المباحث المشرقیہ" میں ارسطو کی طرف اس قول کو منسوب کیا ہے:۔

"قال المعلّم الاوّل: من قال بحدوث الزمان فقد قال بقدمہ من حیث لا یشعر بہ۔"

(معلّم اوّل (ارسطو) نے کہا ہے کہ جو شخص حدوث زمانہ کا قائل ہوا تو وہ اس کے قدیم ہونے کا بھی قائل ہو گیا، حالانکہ اسے اس کا شعور بھی نہیں ہوتا۔)

(المباحث المشرقیۃ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد جلد اوّل صـ ۶۵۹)

ایران قدیم میں زمانہ پرستی

قدیم آریائی قوموں بالخصوص اہل ایران میں "زمانہ پرستی" کا سب سے پہلے حوالہ ملتا ہے۔ دمسقیوس نے اپنی کتاب "مبادی اولیہ" میں اس کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ مارٹن ہیگ لکھتا ہے:۔

"The first Greek writer who alludes to it is Damascius. In his book, On Primitive Principles (12th P. 384 ed Kopp) he says, "The Magi and the whole Aryan nations consider, as Eudemos writes, some Space, and others Time, as the universal cause out of which the good God as well as the evil spirits were separated."

"(Martin Haug: Essays on the Sacred Language, Writings and Religion of the Parsis. P. 12)

(پہلا یونانی مصنف جس کے یہاں اس بات کا حوالہ ملتا ہے، دمسقیوس ہے۔ وہ اپنی کتاب مبادی اولیہ میں کہتا ہے: مغ اور تمام آریائی اقوام جیسا کہ یوڈیموس لکھتا ہے، بعض مکان کو اور بعض زمان کو عالمگیر علت قرار دیتے ہیں جس سے تمام چیزیں خواہ وہ نیک دیوتا ہوں یا شریر بد روحیں وجود میں آئی تھیں)

اسی طرح کرسٹن سین "ایران بعہد ساسانیان" (صفحہ ۳۶) میں رقمطراز ہے:-

"ایک قدیم ایرانی عقیدے کے مطابق جس کے کچھ دھندلے سے آثار گاتھاؤں میں باقی رہ گئے ہیں، خدائے خیر اور خدائے شر توام بھائی تھے جو زمان نامحدود (زُروان یا زُروان) کے بیٹے تھے۔"

دوسری جگہ (صفحہ ۱۹۵-۱۹۶) وہ اس کی تفصیل میں لکھتا ہے:-

"اوستا کے باب گاتھا (یاسنا ۳۰-۳) میں روح خیر اور روح شر کے متعلق لکھا ہے کہ وہ دو ابتدائی روحیں ہیں جن کا نام توامان اعلیٰ ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ زرتشت نے ایک قدیم تر اصل کو جو ان دونوں روحوں کا باپ ہے، تسلیم کیا ہے۔ ارسطو کے ایک شاگرد یوڈیموس کی ایک روایت کے مطابق ہخامنشیوں کے زمانہ میں اس خدائے اولین کی نوعیت کے بارے میں بہت اختلافات تھے۔ بعض اس کو مکان (ثقواش بزبان اوستائی) سمجھتے تھے اور بعض اس کو زمان (زرون بزبان اوستائی و زروان بزبان پہلوی) تصوّر کرتے تھے۔ بالآخر دوسرا عقیدہ غالب آیا اور اس زروانی عقیدے کو متھرا پرستوں نے بھی اختیار کر لیا۔"

متھرائیت (آفتاب پرستی جو آرمینیا کا سرکاری مذہب تھا اور جس کا بعد میں رومن امپائر کے اندر بھی بہت زیادہ غلبہ رہا) کو متاثر کرنے کے علاوہ "زروانیت" (زمانہ پرستی) نے دوسرے مذاہب میں بھی مقبولیت حاصل کر لی۔ کرسٹین سین لکھتا ہے:-

"ان حالات میں متھرا پرستوں نے اور ان کے ساتھ مختلف قسم کے بدعتیوں نے جن میں بعض شیطان پرست (انگرہ مینیوں یا اہرمن کے ماننے والے) تھے زروانی عقیدے کو اختیار کر لیا۔" (صفحہ ۳۶-۳۷)

اسی طرح عقیدہ زروانیت نے کماڈین کے ملک میں بھی مقبولیت حاصل کر لی:-

"کماژین کے بادشاہ اینٹوکس اول کے ایک کتبے میں" زروان اکرن" (زمان نا محدود) کو یونانی الفاظ 'کرونوس اپیروس' میں ادا کیا گیا ہے۔"

تیسری صدی مسیحی میں طوائف الملوکی کے بجائے ایران میں ایک منظم حکومت قائم ہوئی۔ یہ ساسانی سلطنت تھی۔ ساسانیوں نے قومی اتحاد و یکجہتی اور ملکی استحکام کے پیش نظر "مزدائیت" (متعارف مجوسیت) کو سرکاری اور قومی مذہب بنایا۔ لہٰذا فطرتاً دیگر مذاہب ماند پڑ گئے۔

ساسانی مدبروں کی "زروانیت" سے بے رخی و بے اعتنائی محض موبدوں (مذہبی پیشواؤں) کی تنگ نظری یا مذہبی رقابت ہی کا نتیجہ نہ تھی بلکہ چونکہ زروانی عقائد انجام کار جبر کا عقیدہ پیدا کرنے کا باعث بن جاتے ہیں، جو قدیم مزدائیت کی روح کے لئے سم قاتل تھا۔ اس لئے سوسائٹی کی اصلاح اور اس میں عمل کوشی کی روح پھونکنے کے لئے مصلحین ملک نے زروانی معتقدات کو یک قلم دبانے کی کوشش کی۔ پھر بھی "زروانیت" اجتماعی ذہن سے کلیتاً محو نہ ہو سکی۔ چنانچہ مانی جس نے ساسانی عہد حکومت کے آغاز میں ایک نئے مذہب (مالونیت) کی بنیاد ڈالی تھی، "زروانیت" سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ کرسٹن سین لکھتا ہے:۔

"مانی پیغمبر نے جو شروع کے ساسانی بادشاہوں کے زمانہ میں اپنے نئے مذہب کی دعوت دے رہا تھا، اپنی تعلیم کو اس زمانے کے زرتشتی عقائد کے ساتھ موافق بنانے کی خاطر خدائے برتر کو زروان کے نام سے موسوم کیا۔" (صفحہ ۱۹۶)

بایں ہمہ ساسانی حکومت کے زمانہ عروج میں "زروانیت" گوشۂ گمنامی ہی میں پڑی رہی۔ مگر آخری زمانہ میں جب اجتماعی فکر مرکز گریز تحریکات کا تختۂ مشق بننے لگی تو "زروانیت" نے بھی سر اٹھایا۔ چنانچہ ہوارٹ لکھتا ہے:۔

"In the time of the Sasanides a monotheistic tendency becomes clearly apparent in dissident sects. The expression, infinite time, Zarvan akarana, which is found in the later part of the Avesta, was used as the basis for the idea of a single God superior to the two principles. This doctrine was known to Theodoros of Mopsuestia in the IV century of our era and to the Armenian writers, Eznik and Elisaeus, in the V century."

(Huart: Ancient Persian and Iranian Civilization, P. 171)

(ساسانیوں کے زمانہ میں بدعتی فرقوں کے اندر ایک توحیدی رجحان واضح طور پر نمایاں ہونے لگتا ہے

نفقرہ زمان نامحدود یا زروان اکران جوکہ اوستا کے آخری ابواب میں پایا جاتا ہے، وہ ایک خدائے واحد کے تصوّر کی اساس کے طور پر بھی استعمال ہوتا تھا جوکہ دونوں اصلوں (خیر و شر) سے بلند تر ہے۔ یہ عقیدہ چوتھی صدی مسیحی میں تھیوڈور مصیصی کے اور پانچویں صدی میں آرمینی مصنفین ازنیک اور الیسس کے بھی علم میں تھا۔)

مارٹن ہیگ تھیوڈور مصیصی کی شہادت کو تفصیل سے نقل کرتا ہے :-

"On the same matter Theodoros of Mopsestia writes as follows, according to the fragment preserved by the Polihstor Photios (Biblioth 81): In the first book of his work (On the doctrines of the Magi), says Photios. he propounds the nefarious doctrine of the Persians, which Zarastrades introduced, viz., that about Zarouam. whom he makes the ruler of the whole universe and calls him Destiny. (Marting Haug: Essays on the Sacred Language, Writings and Religion of the Parsis, P. 12).

(اسی موضوع پر ان اوراق کے مطابق جو مؤرخ فوطیوس نے محفوظ رکھے ہیں، تھیوڈور مصیصی بدیں طور لکھتا ہے: اپنی تصنیف کی پہلی جلد میں (جس کا عنوان ہے مغوں کے عقائد پر) فوطیوس کہتا ہے کہ وہ ایرانیوں کے مذموم عقائد کی تفصیل بیان کرتا ہے جنہیں زراستر ادیس (زرتشت نے) نے (اس مذہب میں) داخل کیا تھا۔ یعنی زروام (زروان) کے متعلق عقیدہ جسے کہ وہ ساری کائنات کا حاکم قرار دیتا ہے نیز اسے تقدیر کے نام سے بھی موسوم کرتا ہے۔)

دوسری جگہ وہ ازنیک کی شہادت کو نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے :-

"Eznik says, in his refutations of heresies (in the second book), containing a refutation of the false doctrine of Persians · Before any thing. heaven or earth, or creature of any kind whatever therein, was existing Zeruan existed, whose name means fortune or glory." (Ibid P. 12)

(ازنیک اپنی کتاب "تردید الحاد" (جلد دوم) میں، جو ایرانیوں کے باطل عقیدوں کی تردید میں ہے، کہتا ہے: پیشتر اس کے کہ کوئی چیز آسمان ہو یا زمین یا کسی نوع کی اور کوئی مخلوق وجود میں آئی، زروان (زروان) موجود تھا، جس کے نام کا مطلب ہے تقدیر یا شوکت۔)

غرض ساسانی ایران میں سرکاری ہمت شکنی اور موبدوں کی مخالفت کے باوجود "زروانیت" باقی

رہی، چنانچہ ہیگ دوسری جگہ لکھتا ہے :۔

"That the doctrine of Zarvan akarana was commonly believed in Persia during the time of Sasanians, may be distinctly seen from the reports quoted above." (Ibid).

(یہ بات اُوپر لکھی ہوئی اطلاعات سے واضح طور پر دیکھی جاسکتی ہے کہ زروان اکرانا کا عقیدہ ساسانی عہد میں ایران کے اندر عام طور سے شائع و ذائع تھا۔)

اسی طرح کرسٹن سین "ایران بعہد ساسانیاں" (صفحہ ۱۹۶) میں لکھتا ہے :۔

" اس بات کا ثبوت کہ ساسانیوں کی مزدائیت زروان پرستی کی شکل میں مروج تھی، نہ صرف اشخاص کے ناموں کی کثیر تعداد سے ملتا ہے، جو ساسانیوں کے زمانہ میں لفظ زروان کے ساتھ مرکب پائے جاتے ہیں۔ بلکہ ان بے شمار مقامات سے بھی جو یونانی ارمنی اور سریانی مصنّفین کی کتابوں میں ملتے ہیں"۔

چنانچہ سریانی زبان میں کتب وقائع شہدائے ایران کے سلسلے میں ایک "تاریخ سابہا" ملتی ہے جس میں ایک مجوسی موبد اپنے خداؤں کا شمار کرتے ہوئے کہتا ہے :۔

" ہمارے خدا زیوس، کرونوس، اپولو، بیدوخ اور دوسرے خدا"

ملاحظہ ہو کہ یہ زروانی خداؤں کی ایک چوکڑی ہے۔ زیوس، کرونوس اور اپولو علی الترتیب اہورمزد، زروان اور منتھرا ہیں۔ (بحوالہ ایران بعہد ساسانیاں صفحہ ۲۰۵)

لیکن جس طرح زردشتی مصلحین نے شروع میں اصلاح اور جذبۂ عمل کوشی کی تعلیم کے لئے "مزدائیت" کو "زروانیت" سے پاک کرنے کی کوشش کی تھی، اسی اصول کے تحت انھوں نے ساسانی عہد کے زوال پر بھی اس کی مخالفت کی۔ زروانی عقائد جو ساسانیوں کے عہد میں مروج تھے، اس زمانہ میں جبر کا عقیدہ پیدا کرنے میں ممد ہو رہے تھے، جو قدیم مزدائیت کی روح کے لئے سم قاتل تھا۔ خدائے قدیم زروان جو اہورمزد اور اہرمن کا باپ تھا، نہ صرف "زمان نا محدود" کا نام تھا، بلکہ "تقدیر" بھی وہی تھا۔ چنانچہ کتاب "داستان مینوگ خرد" میں عقل آسمانی حسب ذیل اعلان کرتی ہے :۔

" اس طاقت اور عقل و معرفت سے حاصل شدہ قوت کے باوجود بھی تقدیر سے لڑنا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ جب مقدر میں لکھا ہوا خواہ وہ نیکی کے لئے ہو یا اس کے برعکس (برائی کے لئے ہو) سامنے آتا ہے تو پھر عقل مند اپنے ادائیگی فرض میں کوتاہ اور جو شرارت میں تیز ہے، وہ ذہین بن جاتا ہے۔ بزدل شجاع اور شجاع بزدل بن

جاتا ہے۔ محنتی آدمی کاہل بن جاتا ہے اور کاہل محنت سے کام کرنے لگتا ہے۔ کسی معاملے میں جو کچھ مقدر میں لکھا جا چکا ہے، اسی طور پر علل واسباب اس پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اور اپنے علاوہ ہر چیز کو نکال پھینکتے ہیں (غیر مؤثر بنا دیتے ہیں۔)" ؎

لیکن زردشتی مزدائیت اس "زروانیت" اور اس کے نتیجے میں پیدا شدہ جبر و قنوطیت کو برداشت نہ کر سکی۔ لہذا اس کا ردّ عمل ناگزیر تھا۔ چنانچہ "سکند گمانیک وژار" (شکوک کو رفع کرنے والی توضیح) نامی کتاب میں جو ساسانی زمانہ کے قریب ہی کی تصنیف ہے، لکھا ہے:۔

"رہا ان لوگوں کی ایک اور فریب خوردگی کے بارے میں، جو علانیہ طور پر ایک مقدس ہستی کے نہ ہونے کے مدعی ہیں اور جنہیں وہ منکر خدا (دہری) کہتے ہیں (حسب ذیل تفصیل قابل غور ہے) وہ کہتے ہیں کہ انہیں مذہبی پابندیوں اور نیک کاموں کی بجا آوری سے آزادی کا حکم ملا ہے۔ وہ لامحدود خرافاتیں جو وہ ہانکتے ہیں، اس کے بارے میں تم یہ بات سن لو وہ اس کائنات کی اور اس کے اندر پائے جانے والے بکثرت تغیرات، اس کے ارکان وآلات باہمی توافق اور ان کے باہمی التباس کی توجیہہ زمان نامحدود کے اصولی ارتقاء سے کرتے ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ نہ اچھے کاموں کی کوئی جزا ہے اور نہ گناہوں کی کوئی سزا۔ نہ بہشت ہے نہ دوزخ اور نہ نیکیوں اور جرائم کا کوئی محرک۔ اس کے علاوہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ چیزیں صرف دنیوی (مادی) ہوتی ہیں

---

(1) "Even with this might and powerfulness of wisdom and knowledge, even this it is not possible to contend with destiny. Because when predestination as to virtue, or as to the reverse, comes forth, the wise becomes wanting (niyazan) in duty, and the astute in evil becomes intelligent, the faint-hearted becomes braver, and the braver becomes faint-hearted, the diligent becomes lazy and the lazy acts diligently. Just as predestined as to the matter, the cause enters into it and thrust our every thing else." Dina-i-Mainog Khirad Chap. XXIII. 4-9, Sacred Book of the East Part III, P. 54).

اور کوئی رُوح (روحانی اصل) نہیں ہوتی۔" ۱؎

یہ صورت حال تھی کہ اسلام مبعوث ہوا اور کچھ ہی عرصے بعد عربوں نے ایران فتح کر لیا۔ اس سے ایران کے قومی وقار کو جو بھی صدمہ پہنچا ہو، سیاسی اختلال اور انتشار زیادہ عرصہ تک باقی نہ رہ سکا۔ بہت ہی قلیل عرصہ میں مسلمان فاتحین نے یہاں ایک منظم سلطنت قائم کرلی۔ یہ فاتحین "مزدائیت" یا مجوسیت کو تو برداشت کرسکتے تھے، جس طرح انھوں نے یہود و نصاریٰ کی مذہبی آزادی کو برقرار رکھا تھا لیکن مسلمان جیسی فعّال قوم کے زیرِ حکومت "مقدر پرستی" کی تحریکیں فروغ نہیں پا سکتی تھیں۔ لہذا "زروانیت" کی تحریک دب گئی اور ڈھائی سو سال تک سننے میں نہیں آئی۔ تاآنکہ ابوبکر محمد بن زکریا الرازی نے "حرنانیت" کے نام سے اسے زندہ کیا۔ چنانچہ امام فخر الدّین رازی سے شارح مواقف نے نقل کیا ہے:۔

"قال الامام الرازی کان ھذا المذھب مستوراً فیما بین المذاھب۔ فمال الیہ ابن زکریا الطبیب الرازی واظھرہ وعمل فیہ کتاباً مسمّٰی بالقول فی القدماء الخمسۃ۔"
(شرح المواقف: الموقف الثانی، المرصد الثالث، المقصد الخامس)

امام رازی نے لکھا ہے کہ یہ مذہب دیگر مذاہب کے درمیان گمنام تھا۔ پس طبیب ابوبکر زکریا رازی کا اس کی طرف میلان ہوا اور اس نے اسے ظاہر کیا اور اس کی تائید میں ایک کتاب بعنوان "القول فی القدماء الخمسۃ" تصنیف کی۔

---

(1) "As to another delusion of those asserting the non-existence of a sacred being, whom they call athestical (Dahri) that they are ordained free from religious trouble (alag) and the toil of practising good work and the unlimited twaddle (drayisin) they abundantly chatter, you should observe this. That they account this world, with the much change and adjustment of description of its members and appliances, their antagonism to one another, and their confusion with one another, as an original evolution of boundless time. And this, too that there is no reward of good works, no punishment of sin, no heaven and hell, and no stimulator of good works and crimes. Besides this that things are only worldly and there is no spirit." (Sîkand Gumantk Vijar Chap. VI Sacred Book of the East Part III. P. 146)

دمسقیوس کی شہادت (بحوالہ مارٹن ہیگ) نقل ہو چکی ہے کہ تمام آریائی اقوام زمانہ کو اصل کائنات بلکہ وجود کا مبدء اوّلین سمجھتی تھیں۔ قدیم ہندوستانی فکر میں بھی یہ عقیدہ ملتا ہے۔ چنانچہ "بھگوت گیتا" میں ایشور کو سری کرشن کی زبانی کہتے ہوئے بتایا گیا ہے :-

"میں زمانہ ہوں جو دنیاؤں کو تباہ کرتا ہے۔" (اصول فلسفۂ ہنود از مسٹر سری نواس آئنگر صفحہ ۳۵)

اسی طرح "اتھرو وید" کے اشلوک نمبر ۱۵، ۳۵، ۵۵ میں زمانہ کو تمام چیزوں کا مبدء اور حاکم کہا گیا ہے (ایضاً

زمانہ پرستی یونان میں

زمانہ پرستی کا دوسرا بڑا گہوارہ یونان تھا۔ یہاں کی قدیم اساطیری خرافات میں کرونوس (Kronos) یا کال دیوتا (زمانہ) اپنے ہی بچوں کو نگل جایا کرتا تھا۔ چنانچہ اپولوڈورس، جس کا زمانہ پہلی یا دوسری صدی مسیحی ہے، اپنی کتاب (Library) میں جسے اس نے ہیزیوڈ (زمانہ آٹھویں صدی قبل مسیح) کی کتاب (Theogony) سے ملخص کر کے لکھا تھا، کہتا ہے :-

"سب سے پہلے آسمان Uranus دنیا پر حکومت کرتا تھا۔ اس نے زمین کے ساتھ شادی کی...... اس کے بچوں میں سب سے چھوٹا کرونوس تھا... کرونوس نے اپنی بہن (Rhea) سے شادی کی.... اور چونکہ اس کے ماں باپ نے پیشین گوئی کی تھی کہ اُسے خود اس کے بچے معزول کریں گے، لہٰذا وہ اپنے بچوں کو نگل جایا کرتا تھا۔"

اس اسطوری افسانے کی تمثیلی توجیہہ حسب ذیل ہے :-

(الف) زمانہ کی اصل فلک ہے اور خود زمانہ دیگر موجودات حتیٰ کہ زیوس (جو تمام یونانی دیوتاؤں کا مقدم اور بادشاہ ہے) کی بھی اصل ہے۔

(ب) تمام موجودات کو ہلاک کرنے والا (اپنے ہی بچوں کو نگل جانے والا) "کرونوس" (کال دیوتا) یا زمانہ ہے۔ بھگوت گیتا میں مذکور زمانہ کے تصوّر، کہ وہ "دنیاؤں کو تباہ کرنے والا" ہے اور یونانی خرافات کے "کرونوس" میں جو "اپنے ہی بچوں کو نگل جایا کرتا تھا، بڑی گہری مماثلت ہے۔ اور اس سے لوڈیموس اور دمسقیوس کی ان شہادتوں کی تصدیق ہوتی ہے کہ قدیم آرین اقوام زمانہ کو اصل کائنات سمجھتی تھیں۔ نیز یونانی خرافات کے "کرونوس" اور معطلۂ عرب کے "دھر" میں (جسے وہ ہلاکت اور تباہی کا آلہ بلکہ اللہ رحمٰن ورحیم کے بجائے مؤثر حقیقی سمجھتے تھے اور انفس وآفاق کی ہلاکت وتباہی پر متصرف مانتے تھے) جو معنوی مماثلت ہے، اس کے پیش نظر اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ موخر الذکر کا عقیدۂ "دہر" اول الذکر سے کسی نہ کسی طرح

ماخوذ ہے۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے :-

یونانی فلسفہ کی فلک بوس عمارت یونانی دیو مالا ہی پر قائم ہوئی۔ صرف اتنا ہوا کہ فلاسفہ نے اساطیر کے خرافاتی پوست کو ہٹا کر سائنسی مغز کو اپنا موقف بنا لیا۔ مثلاً یونانی اسطوریات کا اہم ترین مسئلہ یہ تھا کہ اولمپس میں بسنے والے دیوتاؤں کا مورث اعلیٰ (پدر اولین) کون ہے؟ فلاسفہ نے بھی اسی سوال کو اپنی تفکیری سرگرمیوں کا موضوع بنایا کہ کائنات کا اصل الاصول اور وجود کا مبدء اولین کیا ہے؟ ثالیس نے پانی، انکسمنڈر نے مادہ غیر ممیزہ، انکسمنس نے ہوا، ایراقلیطس نے آگ، برمینڈس نے وجود مطلق، اینڈقلیس نے عناصر اربعہ، انکساغورس نے جواہر اشیاء، دیمقراطیس نے سالمات، فیثاغورث نے اعداد، افلاطون نے اعیان مجردہ اور ارسطو نے مادہ اور صورت جواب دیا۔ یہ جوابات مختلف تھے۔ مگر مسئلہ ایک ہی تھا۔

یہی حال زمانہ کے ساتھ ہوا۔ فلاسفہ کے یہاں آکر وہ "خدا" (دیوتا) تو نہ رہا، لیکن "خودآ" (غیر مخلوق وقدیم) ضرور بنا رہا۔ تمام فلاسفہ یونان اسے قدیم مانتے ہیں، چنانچہ ارسطو "سماع طبیعی" میں لکھتا ہے :-

"تمام مفکرین باستثناء فرد واحد، اس بات پر متفق ہیں کہ زمانہ کی ابتدا نہیں ہے، بلکہ ہمیشہ سے علی سبیل الاستمرار موجود ہے۔ صرف افلاطون ہی وہ فرد مستثنیٰ ہے، جس نے زمانہ کے لئے ابتدا بتائی ہے، کیونکہ وہ کہتا ہے کہ زمانہ کائنات کے ساتھ وجود میں آیا ہے اور کائنات کے لئے آغاز ثابت کرتا ہے"۔

لیکن پیروان افلاطون کو ارسطو کی اس بات سے انکار ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ افلاطون کی رائے میں بھی عالم محسوس اور زمانہ ازلی ہیں۔

غرض یونان کے سائنسی فلسفہ میں زمانہ کا "قِدم" اور عرفانی فلسفہ میں اُس کا "تالہ" یونانی ثقافت کا اہم جزء بنتے رہے اور اسی ثقافت کی توجیہ و توضیح حکماء یونان، اپنے اپنے انداز میں ایک ہزار سال تک کرتے رہے۔ سقراط، افلاطون اور ارسطو روشن خیالی کے مظہر اتم سمجھے جاتے ہیں مگر قومی مذہب کے سب مؤید و محافظ تھے، حتیٰ کہ ارسطو مملکت کے اندر مروجہ مذہب کو جاری رکھنا چاہتا ہے، افلاطون جس قسم کی اصلاح کا طالب تھا، وہ اس کی بھی ضرورت نہیں سمجھتا۔

بعد کے فلاسفہ نے بھی اس مذہبی خرافات کی حمایت میں اپنے پیش رووں کی روایات کو جاری رکھا۔ رواقیین کا کارنامہ یہ ہے :-

"فلسفیانہ دینیات ان کے ہاں دیو مالا کا اصلی مضمون تھی ...... رائج الوقت مذہب پر اگر کوئی

شدید حملہ ہو تو وہ مذہب کی ہر طرح حمایت کرتے تھے۔

یونانی فلسفہ کے آخری نمائندے نوفلاطونی (Neo-Platonists) تھے۔ ان کا کارنامہ یہ ہے:۔

"یہ فلسفی متعدد دیوتاؤں کی پرستش کے آخری حامی تھے، لیکن انکیئرز نے ان کے ہاں فلسفیانہ توجیہ اختیار کرلی تھی۔

یہ تھا اس عظیم الشان یونانی ثقافت کا باطن۔ اور اسی ثقافت کو لے کر سکندر اعظم نکلا تھا تاکہ اپنی فتح مند فوجوں کے ذریعے اسے مفتوحہ ممالک میں پھیلا دے۔ بقول دوران

"اور اس (سکندر) کا خیال تھا کہ اس (یونانی) تہذیب اور شائستگی کو اپنی فتح مند فوجوں کے ذریعے سے مشرق میں پھیلائے ..... اور سکندر کو امید تھی کہ ان معروف مقامات سے یونانی فکر اور یونانی اشیاء تجارت دنیا میں پھیلیں گے۔"

سکندر کی اس تبلیغی کوشش سے جو علاقہ سب سے زیادہ متاثر ہوا، وہ شمال مغربی ایران اور میسوپوٹامیا تھا۔ میسوپوٹامیا بابلی اور کلدانی صابیت کا گہوارہ رہ چکا تھا۔ لہذا اس علاقہ نے اس وثنی ثقافت کو بڑی خندہ پیشانی سے لبیک کہا۔ چنانچہ حران کا شہر بعد میں اپنی "یونانیت پسندی" کی وجہ سے (Hellenopolis) کہلانے لگا۔ بہرحال سواد عراق کا علاقہ مختلف وثنی تہذیبوں کا سنگم تھا۔

دہریت عرب میں

اسی سواد عراق کے علاقہ میں ساسانی عہد کے آخر میں اور بعثت اسلام سے پہلے حیرہ کی نیم آزاد عرب حکومت قائم ہوئی جو تہذیب و شائستگی میں قریش کے لئے نمونۂ عمل اور ان کے اعمال و افکار کا ماخذ تھی۔ اسی حیرہ سے قریش نے عہد جاہلیت میں الحاد و زندقہ سیکھا، چنانچہ ابن رستہ نے الاصمعی کے حوالے سے لکھا ہے:۔ "وکانت الزندقة فی قریش اخذوها من الحیرة۔"

(دہریت اور زندقہ قریش میں پایا جاتا تھا۔ اسے انھوں نے اہل حیرہ سے اخذ کیا تھا۔)

اسی طرح عرب جاہلیت میں "تعطیل" اور دہریت کی اشاعت ہوئی۔ مگر یہ لوگ علم و حکمت اور منطقی استدلال کی اس منزل سے بمراحل پیچھے تھے جو اس انداز فکر میں مضمر ہے۔ انہیں تو صرف اپنی لذت پرستی و عیش کوشی اور عدم ذمہ داری و انجام فراموشی کے لئے ایک سند جواز کی ضرورت تھی اور یہ اس "زمانہ پرستی" کے بنیادی اصول کے ذریعے مہیا ہو جاتی تھی، جیسا کہ سکند گمانیک وزار" کی مرقومۃ الصدر شہادت سے واضح ہے:۔

"جو لوگ یہ دعوی کرتے ہیں کہ خدا نہیں ہے اور اپنے آپ کو دہری کہتے ہیں، اس بات کے قائل ہیں کہ کوئی

مذہبی فرض انسان کے ذمہ نہیں ہے اور نہ کوئی نیک عمل اس پر واجب ہے۔ ۔ ۔ ۔ ان کے نزدیک یہ دنیا اور وہ تمام تغیرات جو اس میں رونما ہوتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ یہ سب زمان نامحدود کے ارتقا کے نتائج ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ نہ اچھے اعمال کے لئے جزا ہے اور نہ بُرے اعمال کے لئے سزا۔" (ایران بعہد ساسانیاں صفحہ ۵۸۵-۵۸۶)

اس کے نتیجے میں غیر منظم طور پر عرب جاہلیت کے اندر وہ فرقہ ظہور میں آیا جسے شہرستانی "معطلۃ العرب" کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:۔

"اعلم ان العرب اصناف شتیٰ: فمنهم معطلة ومنهم محصلة نوع تحصيل. معطلة العرب وهي اصناف. فصنف منهم انكروا الخالق والبعث والاعادة وقالوا بالطبع المحي والدهر المفني وهم الذين اخبر عنهم القرآن المجيد وقالوا ما هي الا حياتنا الدنيا نموت ونحيٰ وما يهلكنا الا الدهر اشارة الى الطبائع المحسوسة وقصر الحياة والموت على تركبها وتحللها. فالجامع هو الطبع والمهلك وهو الدهر." (الملل والنحل للشہرستانی: المجلد الثانی صفحہ ۹۶)

جاننا چاہیئے کہ عرب جاہلیت کے مختلف فرقے تھے۔ بعض ان میں سے مذہب تعطیل کے پیرو تھے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ان کا ایک فرقہ خالق کائنات اور حشر و نشر کا منکر تھا اور اس بات کا قائل تھا کہ طبیعت زندگی بخشنے والی ہے اور دہر فنا کرنے والا ہے۔ اسی فرقے کے قول کو قرآن حکیم دہراتا ہے: وقالوا ماهي الا حياتنا الدنيا نموت ونحي وما يهلكنا الا الدهر جس کا اشارہ طبائع محسوسہ کی جانب ہے۔ نیز اس بات کی طرف کہ زندگی اور موت انہیں طبائع کی ترکیب و انحلال پر موقوف ہے۔ پس طبیعت جامع (موجب تکوین) اور دہر مہلک (موجب فساد) ہے۔

اس خیال نے عربوں کے انداز فکر میں، بالخصوص اس طبقہ کے اندر جو عیش کوشی و انجام فراموشی کا قائل تھا، بہت سے عقیدت مند پیدا کر لئے تھے۔ چنانچہ ایک جاہلی شاعر کا شعر ہے:

حياة ثم موت ثم نشر - حديث خرافة يا ام عمرو

(زندگی اور پھر موت اور پھر حشر و نشر - اے ام عمرو یہ تو ایک خرافات ہے)

بہر حال دنیا کے دوسرے عیش پسندوں کی طرح انھوں نے بھی ایک "الہٰ" تراش لیا تھا۔ یہ زمانہ (دہر) تھا اور وہ اسی کو "موثر فی الوجود" سمجھنے لگے۔ مگر عربوں کی زود رنج اور اشتعال پذیر طبیعت عسر و یسر ہر حال میں اپنے معبودوں کی تعظیم و عقیدت پر خود کو راضی نہیں رکھ سکتی تھی۔ اگر ضرورت پڑے

تو کل تک جس معبود کی پرستش کرتے تھے، اسے کھا جانے میں بھی دریغ نہ ہوتا. چنانچہ بنو حنیفہ نے حیس (آٹے) کا ایک بت بنایا تھا. وہ اس کو پوجتے تھے. لیکن جب قحط پڑا تو اس معبود کو بھی کھا گئے. اس کی ہجو میں ان کے دشمن قبیلے کا ایک شاعر کہتا ہے :-

اکلت بنو حنیفة ربها   عام التقحم والمجاعة

لم یحذروا من ربهم   سوء العواقب والتباعة

(طبقات الامم للقاضی صاعد الاندلسی صفحہ ۶۷)

گالی دینا تو کوئی بات ہی نہیں تھی. ایک اور شاعر کہتا ہے :-

رب العباد مالنا ومالکا   قد کنت تقسینا فما بدالك

انزل علینا الغیث لا ابالك

(کامل للمبرد : الجزء الثانی صفحہ ۱۳۷)

لہذا ایک حد تک تو مصائب و نوائب اور بلایا و حوادث کو "دہر" کی طرف منسوب کرتے. مگر جب ناراض ہو جاتے تو اسی "دہر" کو گالیاں دینے لگتے. چنانچہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے :-

وکانت عادتھم اذا اصابھم مکروہ اضافوہ الی الدھر. فقالوا بؤسا للدھر و تبا للدھر" (فتح الباری جلد ۳۰ صفحہ ۳۰)

اور عربوں کی عادت تھی کہ جب انہیں کوئی تکلیف پہنچتی تو وہ اسے دہر کی طرف منسوب کرتے اور کہتے بُرا ہو دہر کا اور بربادی ہو دہر کے لئے.

یہ فکری ماحول تھا، جس میں اسلام مبعوث ہوا. (مسلسل)